جنوبی ایشیا : عرب کے تعلقات اور نقش آدم[*]

لطف الرحمٰن فاروقی

برصغیر جنوبی ایشیا اور عرب ایک حیثیت سے ایک دوسرے کے ہمسایہ کہے جا سکتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان صرف سمندر حائل ہے۔ یہ دونوں علاقے ایک سمندر کے آمنے سامنے خشکی کے کنارے واقع ہیں۔ زمانہ قدیم سے بحری تجارت کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ سمندر کے ساحلی علاقے فطری طور پر بحری تجارتی قافلوں کی گذرگاہ بنے رہتے تھے۔ ان قافلوں کے ذریعہ سے مختلف علاقوں کے لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہو جاتے تھے۔ عرب تاجر ہزاروں برس پہلے سے جنوبی ایشیا کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں سے تجارتی سامان مصر اور شام کے راستے یورپ تک پہنچاتے تھے اور وہاں سے سامان لا کر جنوبی ایشیا کے مختلف ممالک اور جزائر، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں کالی کٹ کی بندرگاہ کی اہمیت کے بارے میں عظیم سیاح ابن بطوطہ لکھتے ہیں: مالا بار میں یہ بہت بڑا بندر ہے۔ چین، جاوا، سیلان، مالدیپ، یمن اور فارس کے سوداگر یہاں آتے ہیں۔ بلکہ تمام دنیا کے تاجران یہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ دنیا کی بڑی بندرگاہوں میں سے ہے۔[۱] ناخدا مثقال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ناخدا مثقال بھی اسی شہر میں رہتا ہے۔ یہ شخص بہت مشہور اور مالدار ہے۔ اس کے جہاز ہندوستان اور چین اور یمن اور فارس میں تجارت کرتے ہیں۔[۲] اسی طرح سیلان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دس دن کے بعد سیلان جزیرے سے ایک جہاز آیا اس میں عرب و عجم کے فقیر بھی تھے۔[۳] منگلور کے بارے میں لکھتے ہیں، تین دن کے بعد ہم منجروز (بنگلور) کے شہر میں پہنچے۔ یہ بڑا شہر ہے اور خلیج کے کنارے پر ہے جس کو ونب کہتے ہیں۔ یہ کھاڑی اس ملک میں سب سے بڑی ہے اور اس شہر میں فارس اور یمن کے اکثر سوداگر آتے ہیں۔ یہاں سیاہ مرچ اور سونٹھ بکثرت ہوتی ہے۔[۴]

عرب تاجروں کا بحری راستہ

عرب تاجروں کا راستہ یہ تھا کہ وہ مصر و شام کے شہروں سے چل کر خشکی کے راستے سے بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز کو طے کر کے یمن تک پہنچتے تھے اور وہاں سے بادبانی کشتیوں پر بیٹھ کر کچھ تو افریقہ اور حبشہ کو چلے جاتے تھے اور کچھ وہیں سے سمندر کے کنارے کنارے حضر موت، عمان، بحرین اور عراق کے کناروں کو طے کر کے خلیج فارس کے ایرانی ساحلوں سے گزر کر یا تو بلوچستان کی بندرگاہ تیز میں اتر جاتے تھے یا پھر آگے بڑھ کر سندھ کی بندرگاہ دیبل میں چلے آتے تھے اور پھر اور آگے بڑھ کر گجرات اور کاٹھیواڑ کی بندرگاہ تھانہ بمبئی کھمبایت چلے جاتے تھے۔ پھر آگے بڑھتے تھے اور سمندر کالی کٹ اور راس کماری پہنچتے تھے۔ پھر کبھی مدراس کے کنارے پر ٹھہرتے تھے اور کبھی سراندیپ (سری لنکا) انڈیمان سے ہو کر سیدھے مدراس کے مختلف بندرگاہوں پر چکر لگاتے ہوئے خلیج بنگال میں داخل ہو جاتے تھے اور بنگال کی ایک دو بندرگاہوں کو دیکھتے ہوئے برہما اور سیام ہو کر چین چلے جاتے تھے اور پھر اس راستہ سے لوٹ آتے تھے۔ الغرض ان کے تجارتی جہاز جنوبی ایشیا کے تمام شہروں اور جزیروں میں برابر چکر لگایا کرتے تھے۔ اور زمانہ قدیم سے ان کی مسلسل آمد و رفت جاری تھی۔[۵]

جنوبی ایشیا کے ساتھ عرب کے تعلقات کی قدامت

جنوبی ایشیا کے ساتھ عرب کے تعلقات قدیم زمانے سے قائم ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ جب سے انسان نے جنت سے زمین پر قدم رکھا ہے تب سے یہ تعلق قائم ہے۔ محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ جزیرہ سراندیپ کے باشندوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کے باشندے حضرت آدم کے زمانے سے کشتیوں کے ذریعہ سے مکہ معظمہ اور عرب کے دوسرے شہروں میں جایا کرتے تھے۔[۶]

جنوبی ایشیا: مسلمانوں کا موروثی اور آبائی وطن

جنوبی ایشیا مسلمانوں کا موروثی اور آبائی وطن ہے۔ کیونکہ ابوا لبشر حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے زمین پر اتارا گیا تو برصغیر جنوبی ایشیا کے ایک ملک سراندیپ یعنی سری لنکا میں انہوں نے پہلا قدم رکھا۔ جس کا نشان اس کی ایک پہاڑی پر آج بھی موجود ہے۔ جنت میں ابوا لبشر حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ: اهبطوا منها جميعا۔[۷] "تم سب اس میں سے نکل جاؤ" تو وہ جہاں اترے وہ جنوبی ایشیا کا ایک ملک سری لنکا

تھا۔ اس سلسلے میں طبقات ناصری میں منہاج سراج لکھتے ہیں کہ اھبطوا منھا جمیعا (تم سب اس میں سے نکل جاؤ) کے مطابق زمین پر گر پڑے۔ حضرت آدم علیہ السلام سراندیب (سری لنکا) میں۔[8] اس سلسلے میں ابن کثیر چند روایات نقل کرتے ہیں کہ ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ نویں یا دسویں ساعت میں حضرت آدم کا اخراج ہوا ان کے ساتھ جنت کی ایک شاخ تھی اور جنت کے درخت کا ایک تاج سر پر تھا۔ سدی کا قول ہے کہ حضرت آدم ہند میں اترے۔ آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے تھے۔ جنہیں ہند میں پھیلا دیا گیا۔ اور اس سے خوشبو دار درخت پیدا ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہند کے شہر وحنا میں اترے تھے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم ہند میں اترے اور اماں حوا جدہ میں اتریں۔[9] حضرت آدم علیہ السلام نے سری لنکا کے جس مقام پر پہلا قدم رکھا اس کا نشان وہاں کے ایک پہاڑ پر اب بھی موجود ہے۔ اس تاریخی نقش کے بارے میں سید قاسم محمود لکھتے ہیں کہ "جنوب وسط لنکا میں واقعہ کولمبو سے ۴۵ میل جنوب مشرق کی طرف ایک پہاڑ ہے جس کی بلندی ۷۳۶۰ فٹ ہے اس کی چوٹی پر ایک ہموار سطح ۷۴ x ۲۴ فٹ ہے جس پر پانچ فٹ چار انچ اور دو فٹ چھ انچ چوڑا انسانی پاؤں کا نشان ہے۔ ہندو اسے شیوا جی اور مسلمان حضرت آدم کا نقش پا خیال کرتے ہیں۔ بلکہ مسلمان تو یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم کرہ ارض پر گرائے گئے تھے تو وہ اس مقام پر گرائے گئے تھے"۔ بدھ مت والے کہتے ہیں کہ یہ نشان گوتم بدھ کے پاؤں کے ہیں۔[10] اس مقدس مقام کے بارے میں سید سلیمان ندوی مزید لکھتے ہیں:

"مشہور ہے کہ سراندیپ، سیلون یا لنکا جو کہو، اس کے پہاڑ کی چٹان پر پاؤں کا ایک نشان ہے، خدا جانے کب سے یہ پاؤں کا نشان لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز ہے مگر سب سے عجیب بات یہ ہے کہ نقش قدم مسلمان عربوں، بودھوں اور عام ہندوؤں تینوں کی دلی عقیدتوں کا متحدہ مرکز تھا اور یہ وہ چیز ہے جس کی دوسری مثال مذہب کی دنیا میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ مسلمان اس کو حضرت آدم کا نقش قدم سمجھتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں۔ بودھ اس کو شالیہ مونی کے قدم کا نشان اور ہندو شیو کے پاؤں کا نشان سمجھتے ہیں اور اس کی تعظیم بجا لاتے ہیں۔ دور دور سے لوگ اس کے جاترے کو جاتے ہیں۔ مسلمان عرب سیاحوں اور عراق کے درویشوں میں اس کی زیارت کا بڑا شوق تھا۔ تقریباً بحری سفر کے ہر عرب سیاح نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی زیارت کا شوق اس کو وہاں کھینچ لایا ہے اور آخر یہی چیز

جزیرہ میں مسلمان درویشوں کی بکثرت آمد و رفت کا ذریعہ بن گئی اور ان کی اس آمد و رفت کی کثرت کے سبب سے اسلام کے قدم وہاں جم گئے۔"[۱] ملیبار کے راجہ کے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں تاریخ دکن تحفہ المجاہدین میں جو روایت منقول ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس نقش قدم کی زیارت کے لئے عرب سے لوگ یہاں آیا کرتے تھے۔ اس میں منقول ہے:

فقرائے اسلام کی ایک جماعت حضرت آدم علیہ السلام کے نقش قدم کی زیارت کے سلسلے میں سیلان یعنی سری لنکا جاتے ہوئے ملیبار کے دارالحکومت کدن کلور میں اتری ان کی آمد کا حال معلوم ہوتے ہی وہاں کے راجہ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور ان سے جناب رسول ﷺ کا حال دریافت کیا۔ ان سے نبی ﷺ کے حالات، دین اسلام کی حقیقت، معجزہ شق القمر کی کیفیت سننے کے بعد اسلام قبول کر لیا اور ان سے قدم مبارک کی زیارت سے واپس آتے ہوئے یہاں آنے کی درخواست کی تاکہ وہ خود ان کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی زیارت کو جائے۔"[۲] چودہویں صدی کے مسلم سیاح ابن بطوطہ نے بھی اپنے قیام سرندیپ یعنی سری لنکا کے دوران میں نقش آدم اور غار خضر کی زیارت کی تھی وہ لکھتے ہیں:

"یہ پہاڑ (جبل سراندیپ) دنیا کے بلند پہاڑوں میں سے ہے۔ ہم نے اس کو سمندر میں سے دیکھا تھا حالانکہ وہ ساحل سے دو منزل ہے۔ جب ہم اس کے اوپر چڑھے تو بادل نیچے نظر آتے تھے اس پہاڑ میں ایسے بہت سے درخت ہوتے ہیں جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور رنگ برنگ نکلتے ہیں، سرخ گلاب کا پھول ہتھیلی کے برابر ہوتا ہے لوگوں کا گمان ہے کہ اس پھول میں اللہ اور محمد ﷺ کا نام قلم قدرت سے لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس پہاڑ سے قدم تک جانے کے دو راستے ہیں ایک کو بابا کا راستہ کہتے ہیں اور دوسرے کو ماما کا یعنی آدم اور حوا کے راستے۔ ماما کا راستہ آسان ہے لیکن بابا کا راستہ بڑا دشوار گذار ہے اور اس پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ پہاڑی میں سیڑھیاں کھود دی گئی ہیں جن سے چڑھ کر اوپر جاتے ہیں ان میں لوہے کی میخیں گاڑ کر ان سے لوہے کی زنجیریں لٹکائی گئی ہیں تاکہ چڑھنے والا انہیں پکڑ کر چڑھتا جائے یہ دس زنجیریں ہیں۔ دسویں زنجیر سے لے کر غار خضر تک سات میل کا فاصلہ ہے وہ ایک وسیع میدان میں واقع ہے اس کے پاس پانی کا ایک چشمہ ہے وہ بھی خضر کی طرف منسوب ہے۔ غار خضر میں سب زائر جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے چھوڑ جاتے ہیں اور دو میل اوپر جہاں قدم ہے

اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ یہ قدم باوا آدم کے پاؤں کا نشان ایک سخت سیاہ پتھر میں ہے جو سطح سے اونچا ہے اور میدان میں پڑا ہوا ہے۔ قدم مبارک پتھر میں گھس گیا تھا اور اس کا نشان بن گیا تھا۔ اس کی لمبائی گیارہ بالشت ہے پہلے یہاں اہل چین آتے تھے وہ انگوٹھے کی جگہ پتھر میں سے توڑ کر لے گئے اور شہر زیتوں میں ایک مندر میں اس کو جا رکھا' ہندو زائر اس میں سونا اور یاقوت اور موتی بھر جاتے ہیں اس لئے فقیر جب غار حضرت میں پہنچتے ہیں تو جلدی کر کے سب سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جو کچھ ہو لے لیں۔ ہم جب آئے تو بہت تھوڑا سا سونا اور جواہرات اس میں تھے وہ ہم نے اپنے بدقہ کو دے دیا۔ دستور یہ ہے کہ زائر لوگ غار خضر میں تین دن تک ٹھہرتے ہیں اور تین دن برابر صبح اور شام قدم کی زیارت کو آتے ہیں ہم نے بھی ایسا ہی کیا۔[۱۳] اس ضمن میں سید سلیمان ندوی ایک دلچسپ بات یہ بھی لکھتے ہیں:

"چونکہ عرب کے ملک میں متعدد قسم کی خوشبوئیں اور مسالے جنوبی ہند سے آتے تھے اور پھر عربوں کے ذریعہ سے وہ تمام دنیا میں پھیلتے تھے اس لئے ان کا بیان ہے کہ یہ چیزیں ان تحفوں کی یادگار ہیں جو حضرت آدم اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔ ان تحفوں میں سے چھوارے کے سوا دو پھل یعنی لیموں اور کیلے ہندوستان ہی میں موجود ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ امرود بھی جنت ہی کا میوہ تھا جو ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔[۱۴] آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"جب ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے تو وہ پہلے لنکا یعنی ہندوستان کے جنوبی جزیرہ میں آئے اور حضرت حوا عرب میں پہنچیں ان دونوں کی ملاقات جدہ میں ہوئی۔ جب حضرت آدم جنت سے نکالے گئے تو حجر اسود ان کے ساتھ تھا اور آج بھی یہ پتھر لنکا اور جنوبی ہندوستان سے ہوتا ہوا مسلمانوں کی مقدس ترین عمارت (خانہ کعبہ) میں نصب ہے۔ اس کے علاوہ عرب مصنف لکھتے ہیں کہ جنوبی ہندوستان سے جو طرح طرح کی خوشبوئیں اور پھل اور مسالے عرب جاتے تھے اور وہاں سے ساری دنیا میں پھیلتے تھے وہ ان تحفوں کی یادگار ہیں جو حضرت آدم اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے"۔[۱۵] میر آزاد بلگرامی ایک اور دلچسپ بات تحریر کرتے ہیں:

"جب آدم سب سے پہلے ہندوستان میں اترے اور یہاں ان پر وحی آئی تو یہ رسول اللہ ﷺ کا ابتدائی ظہور اس سر زمین میں ہوا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے

ہندوستان کی طرف سے خوشبو آتی ہے"۔[۱۶] اب یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام سیلون میں آئے تو یہاں سے ہندوستان کیسے پہنچے؟ جہاں سے ان کو عرب یعنی عرفات و مکہ پہنچنا تھا جبکہ اس وقت سمندر پار کرنے کے لئے جہاز تھے نہ کشتی؟ یہ اشکال بھی بہت آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ سید علی بلگرامی لکھتے ہیں کہ "جزیرہ سیلون ...... ہند کے براعظم سے بالکل علیحدہ نہیں ہے۔ ایک سلسلہ چھوٹے چھوٹے جزائر کا جن میں رائنو رم اور مناکس قدر بڑے ہیں اس کو اس مقام تک پہنچا دیتا ہے جو براعظم سے بالکل ملا ہوا ہے۔ ان جزائر کے درمیان میں پہاڑیاں اور چرواقع ہوئے ہیں جن پر بمشکل دو چار فٹ پانی رہتا ہے۔ ان کو بحیثیت مجموعی راما کا پل کہتے ہیں۔[۱۷] آدم کا پل ہو یا رام سیتو، رمائن میں اس سلسلے میں تفصیلی بحث موجود ہے۔ جبکہ مہا بھارت میں اجمالی و بالاختصار، مہا بھارت میں لنکا کے راجہ نے رابن کے ہاتھوں سیتا کے اغوا ہونے کے بعد رام اپنی بیوی کی بازیابی کے لئے رابن کے چھوٹے بھائی بیویشن وغیرہ سے رابطہ کر کے لنکا میں انتشار پیدا کرنے کے بعد لنکا فتح کیا اور سیتا کو بازیاب کروایا۔ اس ضمن میں "سیتا کے اغوا اور سری رام کے پانچ بندروں سے ملاقات" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ یعنی سب بندروں نے مل کر سمندر پر بڑی آسانی سے بند باندھا، راجہ نے سمندر کے پانی پر چٹان رکھ دی۔ رام کی درخواست پر پانی میں بند باندھ دیا اور تمام کی تمام فوج اپنے کام کے لئے اس پر سے گذاری۔[۱۸] اس "راما کا پل" یا "آدم کا پل" کے بارے میں سید قاسم محمود "آدم کا پل Adams Bridge" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

بھارت اور سیلون (سری لنکا) کے درمیان سمندر میں ریت اور پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کی ایک تیس میل لمبی قطار چلی گئی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت آدم جب جنت سے نکالے گئے تو اس راستے سے لنکا گئے تھے۔ اس روایت کے مطابق حضرت آدم نے سب سے پہلے لنکا میں رہائش رکھی تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق جب رام چندر اپنی اغوا شدہ بیوی سیتا دیوی کو رہا کرانے کے لئے ہندوستان سے سیلون جا رہے تھے تو اپنی فوج کی سہولت کے لئے یہ پل بنایا تھا اور یہ اس پل کے باقی ماندہ آثار ہیں۔ یہاں کہیں پانی کی گہرائی تین چار فٹ سے زیادہ نہیں۔ ۱۸۸۳ء میں بحری آمد و رفت کے لئے راستہ صاف کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔[۱۹]

سری لنکا میں حضرت آدم کے نقش قدم کے طور پر جو مقام موجود ہے اس کے بارے میں حتمی

طور پر انکار کرنا ممکن نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس رام شیتو یعنی راما کا پل یا آدم کا پل اس امکان کو بھی تقویت پہنچاتا ہے کہ حضرت آدم اس راستے سے ہندوستان تشریف لائے تھے اور وہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ یہ مقام قدیم زمانہ سے معروف ہے اس لئے عرب مسلمان وغیرہ بھی اس کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ ابن بطوطہ شیخ ابو عبداللہ، سفرنامہ ابن بطوطہ، حصہ دوم، ۱۹۱، ۲۰۷

۲۔ ایضاً، ۱۹۱

۳۔ ایضاً، ۱۸۹

۴۔ ایضاً

۵۔ سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات، ۳۱

۶۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، جلد سوم، اردو ترجمہ عبدالحئی خواجہ ایم اے، لاہور، بک ٹاک، ۱۹۹۱، ۴۷۹

۷۔ القرآن، البقرہ، : ۳۶

۸۔ منہاج الدین عثمان ابو عمر، معروف بہ منہاج سراج، طبقات ناصری، اردو ترجمہ غلام رسول مہر، جلد اول، لاہور، طبع دوم مئی ۱۹۸۵ء، اردو سائنس بورڈ، ۳۴

۹۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، اردو ترجمہ، کراچی، نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، جلد اول، ۱۰۲

۱۰۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، آدم کی چوٹی Adams Peak، کراچی شاہکار بک فاؤنڈیشن، ۲۶

۱۱۔ سید سلیمان ندوی، ۲۹

۱۲۔ شیخ زین الدین معبری : تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتکالین

اردو ترجمہ، علی گڑھ، شیروانی پرنٹنگ پریس، ۱۹۴۲ء، ۱۳

۱۳۔ ابن بطوطہ شیخ ابو عبداللہ، ۲۸

۱۴۔ سید سلیمان ندوی، بحوالہ سابقہ، ۲۸

۱۵۔ شیخ محمد اکرم، آب کوثر، لاہور، نویں بار، ۱۹۸۲ء، ادارہ ثقافت اسلامی، ۱۹

۱۶۔ غلام علی آزاد ابگرامی، سبحتہ المرجان فی آثار ہندوستان، علی گڑھ، معہدالدراسات الاسلامیہ، جلد اول، ۱۹۷۹ء، ۲۱

۱۷۔ سید علی بلگرامی، تمدن ہند، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۸۰

۱۸۔ کانشی داش، مہا بھارت، مرتبہ سری شبودھ چندر ماجمدار، کلکتہ، ۴۷۸

۱۹۔ سید قاسم محمود، بحوالہ سابقہ، ۲۲